© rasailojaraid.com

اسلام اور شرحِ سود

از جناب سید حسن الزماں صاحب ایم اے، بی کام کراچی

کلام پاک میں ۲ دو مقامات پر ربوٰا کی حرمت وارد ہوئی ہے، سورۂ آلِ عمران کی آیۃ ۱۳۰ میں لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً کے الفاظ ہیں جس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس آیت سے مہاجنی سود پر پابندی مقصود ہے، اس کے ساتھ ہی سورۃ البقرہ کے فقرہ لا تظلمون ولا تظلمون سے یہ دعویٰ زیادہ مستحکم معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ سود کی اصل علت ظلم ہے، اس طرح گویا اگر شرح بہت زیادہ نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ ظالمانہ (مثلاً غریب و نادار سے صرفی قرضوں پر) نہ ہو تو حرام نہیں ہے اس طرح بنک انٹرسٹ یا موجودہ تجارتی سود حرمتِ ربا کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

اوپر کے نقطۂ نظر کے بالکل برعکس ہمارے بیشتر علما اسی قدیم نقطۂ نظر کے حامل ہیں جس کے تحت ربا اپنی ہر شکل میں حرام قرار پاتا ہے اور اس میں موجودہ سود بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح قرونِ اولیٰ کا مہاجنی سود۔

تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلۂ ربا کی تاویل میں اختلاف کا آغاز اُنیسویں صدی کے آخر سے ہوا۔ شروع میں اس اختلاف کی نوعیت صرف علمی تھی لیکن جوں جوں مسلم قومیں خود مختار ہوتی گئیں، یہ مسئلہ عملی نوعیت اختیار کرتا گیا۔

جو حضرات موجودہ سود کو ربا سے مختلف قرار دیتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ ربا صرفیاتی مقاصد کے قرضوں پر زیادتی کا نام ہے اور سود پیداواری اور تجارتی مقاصد کے قرضوں پر یا ربا کی شرح بہت زیادہ ہوتی ہے اور سود کی بہت کم یا ربا کی رقم دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے اور سود کی نہیں ہوتی یا ربا سود مرکب کا نام ہے اور سود نام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفرد سود کا، ربا ایک ظالمانہ طریقہ تھا اور سود منصفانہ شرح ہے، ربا محتاج سے اینٹھا جاتا تھا اور سود بڑے بڑے سیٹھوں سے وصول کیا جاتا ہے، اور اس طرح یہ سارا اختلاف تاریخی پس منظر کے تعین میں اختلاف کے سوال پر مبنی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس شرحِ سود کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے جو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت اہلِ عرب میں رائج تھا۔

اس مطالعے میں سب سے بڑی دشواری تاریخی مواد کی پیش آتی ہے، یورپ کی معاشی تاریخ پر تو کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے اور یہ مواد صدیوں سے تیار کیا جا رہا ہے، لیکن قبل اسلام کے عربوں نے نہ تو اپنی تاریخ محفوظ کی اور نہ ایسی دستاویزیں رکھیں جن سے یقینی نتیجے پر پہنچنے میں مدد ملتی۔ حتیٰ کہ خارجی شہادتیں بھی ایسی نہیں ملتیں جن سے لین دین کے معاملات کی تفصیلات کا علم ہو سکے، بعد کے دور کے مورخوں اور مصنفوں نے اگر کچھ پتہ چلایا ہے تو یہ کہ قریش تجارت پیشہ تھے، قرض لیتے دیتے تھے اور سود کا رواج تھا، اس سے یہ منطقی نتیجہ تو نکل سکتا ہے کہ تجارتی قرضوں پر بھی سود کا لین دین ہونا ناگزیر تھا لیکن شرحِ سود کے تعین میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی، رہ سہ کر ایک ذریعہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے اس زمانے کے عمومی حالات سے عرب کی حالت کا قیاس کیا جائے۔

بہتر ہوگا کہ یہ مطالعہ شروع کرنے سے پہلے یہ واضح کر دیا جائے کہ دنیا میں کہیں بھی اور کبھی بھی ایک ہی شرحِ سود رائج نہیں رہی اور نہ آج ہی ایسا ہونا ممکن ہے، قرض کی رقم، مدت، ضمانت، غایت، لینے والے کی حیثیت، دینے والے کی رضامندی، اور طلبِ زر اور رسدِ زر کی عام حالت، یہ وہ عوامل ہیں جن سے ایک ہی زمانے میں اور ایک ہی جگہ پر کئی کئی شرحیں رائج رہ سکتی ہیں اور رائج رہتی ہیں، مثال کے طور پر اس زمانے میں امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں جہاں مرکزی شرح (BANK RATE) ۴ء۵ فی صدی رہتی ہے، کاروباری بینکوں میں ۸ تا ۱۰ فی صدی تک پر لین دین ہوتا ہے، اور چھوٹے قرضوں پر یہ شرح بڑھتے بڑھتے بعض صوبوں میں ۴۲ فی صدی سالانہ تک ہو جاتی ہے، اور یہ سب قانون کے عین مطابق ہوتا ہے، وہ شرحیں اس کے علاوہ ہیں جو خلاف قانون وصول کی جاتی ہیں۔ اور ان چھوٹے قرضوں کے سود میں وہ رقم بھی شامل نہیں ہے جو خدمت وغیرہ کے عنوان سے مقررہ رقم کی شکل میں علیحدہ سے وصول کی جاتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اس ملک کا حال ہے جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، رہا پسماندہ ممالک کا حال تو ان ممالک میں یہ فرق اور بھی وسیع ہو جاتا ہے (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملے گی) ظاہر ہے ایسی صورت میں کسی ایک مقام کی شرحِ سود پر بحث کرنے کے لئے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اس لئے اگر کسی مقام کی عمومی یا قانونی شرحِ سود معلوم ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعاً غلط ہوگا کہ وہاں کا سارا کاروبار اسی شرح پر ہوتا ہوگا، اسی طرح کسی جگہ کے بارے میں ایک آدھ واقعہ اگر کسی سودی لین دین کی شرح کا مل جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ اس جگہ بس وہی شرحِ سود رائج ہوگی، مندرجہ ذیل صفحات میں ہم اپنی بحث صرف عمومی اور قانونی شرحِ سود تک محدود رکھیں گے۔

بعثتِ نبویؐ کے وقت روم تہ الصغریٰ نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے عربوں سے زیادہ قریب تھا۔ بلکہ یہ سلطنت شاید سب سے زیادہ منظم سلطنت تھی، یہاں کا قانون مرتب تھا، اور اس کا دائرۂ کار وسیع، یہ سلطنت ایک طرف یورپ کے بعض علاقوں تک حاوی تھی اور دوسری طرف شام تک اس کی عمل داری تھی، اور عرب تجارتی قافلوں کی آمد و رفت اور بعض عرب قبائل کی مستقل بود و باش کی وجہ سے اہلِ عرب سے بہت قریبی تعلق رکھتی تھی، جان ڈے (JOHN DAY) کی تحقیق کے مطابق چوتھی صدی قبل مسیح میں یہاں شرحِ سود بارہ فی صدی (۱۲ %) تھی۔[۱] تیسری صدی (ق م) میں یہ شرح دس فی صدی رہ گئی، دوسری صدی کے پہلے نصف میں ڈلفی (DELPHI) میں ۶ ⅔ کی شرح کا پتہ چلتا ہے۔[۲] بعض دستاویزوں سے دوسری صدی عیسوی میں چھ سے نو فی صدی سالانہ تک کی شرح کا ثبوت ملا ہے۔ ایک مغربی محقق کے بیان کے مطابق آگسٹس نے قانونی شرحِ سود ۱۲ فی صدی مقرر کی تھی، جسٹنین (JUSTININE) نے ۵۲۸ء میں یہ قانون نافذ کیا تھا کہ بڑے لوگوں (ILLUSTRES) سے ۴ فی صدی تاجروں اور صنعت کاروں سے ۸ فی صدی اور سمندری تجارت کے لئے اور جنس کے قرض لینے کی صورت میں شرحِ سود ۱۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہو۔

۵۳۸ء میں جو پروانہ جاری کیا گیا تھا اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۸ فی صدی کو قانونی شرح بنا دیا گیا تھا، مصر اس زمانے میں اسی سلطنت کا ایک حصہ تھا، لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں بھی اسی شرحِ سود پر لین دین ہوتا رہا ہوگا، بہر حال ۵۳۱ء کے ایک معاہدے میں ۱۲ فی صدی شرح کا تعین ملتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور شاید اسی کو قانونی شرح قرار دیا گیا تھا، اسی طرح قسطنطنیہ میں ایک رائل بنک یا امپریل بنک نے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے ۲۰ سالڈی (کم وبیش ۲۰ شلنگ) پر ۸ فی صدی کی قانونی شرح پہ ۸ ماہ بعد اسکندریہ میں سود وصول کیا گیا تھا۔ بعد کے دور میں بعض قرضوں پر جسٹینن کی مقرر کردہ شرح کے خلاف ۱۲½ سے ۱۶⅔ فی صدی تک سود کی وصولی کا ثبوت پایا جاتا ہے۔[۳]

مصر میں حالانکہ سرکاری شرح پر تعامل کی مثالیں بھی کافی ہیں۔ لیکن یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے زرعی مصر میں بعض قرضوں پر پچاس فی صدی سود بھی لیا گیا تھا، بعض علماء کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ طلائی سکوں کے قرض پر سود کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، بلکہ بعض حالات میں تو پتہ چلا ہے کہ ایسے قرضوں پر سرے سے سود ہی نہیں لگایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ مصر کے بازنطینی مہاجنوں نے سود پہلے ہی سے وضع کرنے کا طریقہ نکالا تھا۔ بہر حال مصر میں چھٹی صدی تک پچاس فی صدی تک سود لیا جانا ثابت ہے۔[۴] چوتھی صدی کے اوائل میں تو تخم ریزی کے غلّے کے قرضے پر بھی پچاس فی صدی سود کا لین دین ہوتا تھا، البتہ چھٹی صدی میں ایسے قرضوں پر سود کی کسی شرح کا پتہ نہیں چلتا۔[۵]

۸۲۷ء سے ۹۶۱ء تک سمندری تجارت میں روپیہ لگانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ کیونکہ چوریں ڈکیتیوں کی وجہ سے تجارت پُرخطر تھی، اور منافع غیر یقینی ہو گیا تھا، چنانچہ ان قرضوں پر شرح سود میں کچھ اضافہ کر دیا گیا، پروفیسر لوسٹن کے بیان کے مطابق اس سارے دور میں بحری تجارت کے قرضوں پر شرح ۱۶⅔ فی صدی سالانہ رہی اسی طرح ۶ فی صدی والی شرح بڑھ کر ۹⅔ تک پہنچ گئی اور ۸ فی صدی والی شرح ۱۱⅑ ہو گئی۔[۶]

ان اعداد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی ہر قسم کے قرضے کے لئے یکساں شرح مقرر نہیں تھی، بلکہ ۴ فی صدی سے ۱۲ فی صدی تک کے درمیان مختلف شرحیں رکھی گئی تھیں، پھر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جسٹینن نے بازنطینی سلطنت میں بھی قرض کی نوعیت میں مقصدِ قرض کے لحاظ سے امتیاز برتا تھا۔ اور یہ امتیاز ان جگہوں پر بھی روا رکھا گیا جو بعثتِ نبوی سے پچاس سال کے اندر اندر اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ یعنی مصر و شام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بازنطینی علاقوں سے باہر یورپ کے دوسرے ممالک کے حالات اتنی وضاحت سے نہیں مل سکتے جتنا بازنطین کے ملتے ہیں اور حالانکہ بعض بڑے بڑے علماء اور محققین نے اس زمانے کے تاریک برِ اعظم کے حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے اس کے باوجود وہاں کے معاشی حالات کے بارے میں معلومات تشنہ ہیں اور خاص طور سے شرحِ سود کے بارے میں تو اور بھی مایوس کن ہیں۔ ☆

بہر حال اب تک جو بھی اعداد و شمار مل سکے ہیں وہ زیادہ تر الف اول کے بعد کے دور کے ہیں لیکن ان شرحوں کے مطالعے سے نہ صرف یہ کہ سود کی شرحوں میں بلحاظِ مقصد تنوع ملتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ بارہویں اور تیرھویں صدی سے سود میں کمی کا رُجحان پیدا ہوا، اور پھر جوں جوں تجارت اور صنعت میں ترقی کی رفتار تیز ہوئی، اتنا ہی شرحِ سود گرتی چلی گئی۔ مثلاً جرمنی اور اٹلی کے بعض حصوں میں قرونِ وسطیٰ کے آغاز میں شرحِ سود ۴۳ فی صدی تھی لیکن تجارت میں ترقی اور صنعتوں کے قیام نے شرحِ سود میں کمی پیدا کی تا آنکہ اٹلی میں بنک میں جمع کرانے سرکاری قرضے دینے اور سرمایہ لگانے پر تیرھویں صدی میں یہ شرح ۲۰ سے ۲۵ فی صدی تک ہوگئی اور مزید بعد کے دور میں ۸ سے ۱۲ فی صدی تک پہنچ گئی ہے[۸] یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۲۱ء میں کاونٹس جینی نے اپنے شوہر کا فدیہ ادا کرنے کے لئے ۶۲۶۰ر ۳۴ لائیور (LIVRE) کے معاوضے میں ۲۹۰۱۹۴ لائیور قرض لئے گویا شرحِ سود ۱۶ فی صدی طے پائی[۸] اسی طرح بڑے پیمانے کی تجارت میں جہاں قرض لینے والے کی مالی حالت قابلِ سفارش ہوتی تھی، بالعموم دس فی صدی سود ادا کیا جاتا تھا۔[۹] پندرھویں صدی میں پانچ سے آٹھ فی صدی تک کی شرح تجارتی قرضوں کے لئے منصفانہ شرح کہی جاتی تھی۔[۱۰] حالانکہ وینس کا تاجر اور مالک جہاز ۴۳ سے ۵۰ فی صدی سود دے کر بھی سمندر پار تجارت سے خوب کما سکتا تھا۔[۱۱]

☆ حال ہی میں اس موضوع پر سڈنی ہومر کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "شرحِ سود کی تاریخ ۲۰۰۰ قبل مسیح تا حال" (SIDNEY HOMER, A HISTORY OF INTEREST RATES 2000 B.C. TO THE PRESENT) یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد ہے۔ لیکن ۶۰۰ صفحات کی اس کتاب میں بھی قرونِ وسطیٰ پر صرف ۶۲ صفحے لکھے گئے ہیں اور ان میں بھی ۱۲ ویں صدی سے پہلے کی شرحیں نہیں پیش کی گئی ہیں، اس کتاب سے استفادہ نہیں کیا جا سکا اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح چودھویں صدی کے شروع میں نورمبرگ میں یہودی ۹۴ فی صدی شرح پر قرض لیتے تھے، خود یہ لوگ بھی قانونی شرح سے زیادہ وصول کرتے ہوں گے، جو فلینڈرس کی طرح یہاں بھی ۴۳ فیصدی ہی تھی، لومبارڈ کی شرح کے مقابلہ میں یہ شرح دوگنی سے چوگنی تک تھی۔[۱۲] حالانکہ لومبارڈ میں بھی عمومی شرح ۱/۳ ۴۳ فی صدی تھی لیکن تجارتی قرضوں پر اس کی نصف (۲۲ %) تھی۔[۱۳] فرانس، اٹلی اور اسپین کے دیہاتی علاقوں میں دس سے پچاس فی صدی تک سود لیا جاتا تھا اور مہاجن اور بنئے اس سے بھی زیادہ وصول کر لیتے تھے۔[۱۴] انگلینڈ البتہ ایسا ملک تھا جہاں شاید دنیا میں سب سے زیادہ سود کھایا جاتا تھا، بالکل ابتدائی دور کے جو ریکارڈ پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک دل چسپ ریکارڈ ایک معزز آدمی کے قرض کا ہے۔

اس میں تفصیل سے درج ہے کہ یہ قرضہ رچرڈ ڈا اینسٹی (RICHARD DE ANESTI) نے کئی یہودیوں سے ۶۳-۱۱۹۳ء میں لیا، ادائیگی میں کتنے ماہ لگے اور قرض کی یہ رقم سود ملا کر کتنی ہو گئی، عجیب بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں شرحِ سود ۲/۳ ۸۶ فی صدی سے گھٹ کر ۱/۳ ۴۳ رہ گئی جس کا سبب شاید یہ تھا کہ خود یہودی ساہوکاروں میں مسابقت شروع ہو گئی تھی،........ اس کے برعکس ۱۱۸۲ء میں ۷۰ شلنگ کا دیا ہوا ایک قرضہ ۱۳ سال میں بڑھ کر ۸۰ پونڈ ہو گیا تھا۔[۱۵] بعض دوسری دستاویزوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۹۰ء تک انگلینڈ میں عمومی شرح ۸۶ فی صدی ہی تھی۔

مندرجہ بالا حقائق کے ساتھ اس امر سے بھی صرفِ نظر نہیں کرنا چاہئے کہ ۱۲ ویں صدی تک کے تاریک یورپ کی جامد معیشت میں سرمایہ کی الٹ پھیر بھی برائے نام تھی اور شرح سود میں کسی نمایاں اتار چڑھاؤ کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔ ایسی صورت میں یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شرح گیارھویں اور بارھویں صدی تک برقرار رہی ہو گی، دوسرے الفاظ میں اوپر کے مطالعہ میں جو شرحیں پیش کی گئی ہیں وہ ۷ ویں صدی عیسوی سے ۹ ویں صدی عیسوی تک بھی پائی جاتی ہوں گی۔

ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے تمام علاقوں میں زرعی قرضوں پر شرحِ سود بہت زیادہ تھی جبکہ تجارتی قرضوں پر اس سے کم، اور جوں جوں تجارت اور صنعت میں اضافہ ہوتا گیا شرحِ سود میں کمی آتی گئی۔[۱۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان کا معاملہ عرب اور یورپ سے بالکل مختلف رہا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں میں سود مذہباً ممنوع تھا، یونانی مفکر عقلی توجیہ کرکے اس کو ظالمانہ قرار دیتے تھے اہلِ عرب اس کو سماجی اور اخلاقی برائی سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں کی مذہبی کتاب منو دھرم شاستر نے جو ایک ہزار سال پہلے تک ان کا ضابطۂ عمل رہی ہے نہ صرف یہ کہ سود کو جائز قرار دیا ہے بلکہ مختلف جاتیوں کے لئے مختلف شرحیں بھی متعین کی ہیں [۱۷] یعنی برہمن کے لئے ۲۴ فی صدی کھتری کے لئے ۳۶ فی صدی ویش کے لئے ۴۸ فی صدی اور شودر کے لئے ۶۰ فی صدی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شاستروں کے دور میں ذاتوں کے معاملے میں سختی سے امتیاز برتا جاتا تھا اور یہ مجال نہ تھی کہ کوئی شخص وہ پیشہ اختیار کرسکے جو اس سے اونچی ذات والے کے لئے مخصوص ہے، اس طرح ہمیں کھتریوں کی تجارتی شرح ۳۶٪ اور زراعت پیشہ لوگوں اور بیگار کرنیوالوں اور پست قوموں کی شرح ۴۸ سے ۶۰ فی صدی تک ملتی ہے [۱۸]

بدقسمتی سے چین اور فارس کے بارے میں اب تک ایسی دستاویزیں نظر سے نہیں گذریں جو شرحِ سود پر روشنی ڈال سکیں حالانکہ فارس سے عربوں کے بڑے گہرے تجارتی اور سیاسی روابط تھے، قدیم چین کے بارے میں ول ڈورانٹ (WILL DURANT) کا خیال ہے۔ کہ یہاں قرض اور سکّے کے قدیم دستور کے مطابق ہی لین دین ہوتا تھا اور اہلِ تجارت ایک دوسرے کو ۳۶ فی صدی کی شرح پر قرض دیتے تھے حالانکہ یہ شرح اس زمانے کے روم و یونان کی شرح سے زیادہ نہ تھی [۱۹] فارس میں شاید یہودی ہی قرض کے لین دین کا کاروبار کرتے تھے اور نہ صرف بنکنگ بلکہ تجارت پر بھی انہیں کا قبضہ تھا، کنز العمال میں جامع عبدالرزاق کے حوالے سے روایت ہے کہ ایک دفعہ (کسی ایرانی نے) عبداللہ بن عمرؓ سے "بیع دہ دوازدہ" کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس بیس فی صد اضافے کو بھی ربا قرار دیا، ممکن ہے یہ اضافہ مجرد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فی صدی سالانہ کی شرح ہو جس کا فارس میں رواج عام ہو۔

مندرجہ بالا سطور سے یورپی ممالک بازنطین، مصر، فارس، اور ہندوستان کی شرحوں کا سرسری سا اندازہ ہوگیا ہوگا، عرب ان تمام ممالک کے بیچوں بیچ ایک جزیرہ نما ہے اور شماریات کے اصولوں کی روشنی میں خط قیاسی کے ذریعہ وہاں کی شرح معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے، ویسے تو ایک مشہور مؤرخ سالو وٹ میر برن (SALO WITTMAYER BARON)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دسویں صدی عیسوی میں اسلامی قلمرو میں کبھی کبھی تیس ۳۰٪ تک کی شرح کا دعویٰ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ:۔

"ظاہر ہے کہ سود کی بڑھی ہوئی شرح (جو بعض اوقات ۳۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی، جبکہ انگلینڈ میں ۸۶ ⅔ فی صدی تک پہنچی تھی) اور سرمایہ کے فوری الٹ پھیر کی وجہ سے بنکاروں کے وسائل میں دن دونی رات چوگنی ترقی ممکن ہو گئی بشرطیکہ وہ اس کاروبار میں جمے رہیں اور اوپر کے لوگوں کو تحفہ تحائف پیش کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں"[۲۰]

لیکن مندرجہ بالا دعویٰ واضح اور فیصلہ کن نہیں ہے، پہلا ابہام تو اس میں یہ ہے کہ اس سے "اسلامی قلمرو میں" ایک شرحِ سود کا پتہ چلتا ہے وہ بھی گاہے بگاہے۔ دوسرا ابہام یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا سودی کاروبار میں حصہ لینا ثابت نہیں ہوتا اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ دسویں اور گیارھویں صدی سے متعلق ہے، اور پھر اس سے اسلامی قلمرو کا حال معلوم ہوتا ہے عرب کا نہیں، مسلمان اس کاروبار سے کس حد تک دل چسپی رکھتے تھے اس کا اندازہ اسی مصنف کے ذیل کے بیان سے ہو سکتا ہے:۔

"مراکو اور اسپین میں گیارھویں صدی میں اعتبارناموں پر چار فی صدی سود لیا جاتا تھا علماء اس کو سود قرار دے کر قابلِ اعتراض سمجھتے تھے"[۲۱]

مسلمانوں کے اس رویے کی تائید پروفیسر پوسٹن (POSTAN) کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:۔

"بہر حال تجارتی سود کے لین دین پر وارد شدہ اعتراض مسلمان سرمایہ کاروں اور ساہوکاروں کو ذہنی خلجان میں مبتلا رکھتا تھا یا پھر آخری وقت میں ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا تھا، ان اعتراضات نے بالواسطہ طور پر یہودیوں اور رومی عیسائیوں کے لئے راستہ صاف کر دیا، کیونکہ بازنطینیوں کی طرح یہ بھی سود کو جائز سمجھتے تھے"[۲۲]

ان اقتباسات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ گیارھویں صدی تک مسلم سلطنتوں میں بھی عیسائی اور یہودی ہی سودی کاروبار کرتے تھے، شرحِ سود کی جو تصویر اوپر پیش کی گئی ہے وہ بھی دسویں اور گیارھویں صدی سے متعلق ہے، لیکن یہ شرح قبل اسلام یا صدرِ اول کی شرح نہیں قرار دی جا سکتی، بہتر ہوگا کہ عرب کی شرح کا قیاس کرنے سے پہلے اوپر کے مباحث کا خلاصہ پیش کر دیا جائے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) شرحِ سود کہیں پر اور کسی زمانے میں بھی یکساں نہیں رہی اور یہ اختلاف نہ صرف علاقے وار تھا بلکہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی وقت میں قائم رہتا تھا۔

(۲) صرفیاتی اور زرعی مقاصد کے لئے قرضوں کی شرح تجارتی اور صنعتی قرضوں کی شرح سے دوگنی سے چوگنی تک تھی، شرحیں مقصدِ قرض کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی رہتی تھیں۔

(۳) ہر جگہ ایسی درمیانی شرحیں ضرور پائی گئی ہیں جنھیں حکومت یا سماج نے منصفانہ سمجھا یا مقرر کیا ہو، مقاصد کے لحاظ سے منصفانہ اور قانونی شرحیں بھی مختلف رہی ہیں۔

(۴) سب سے زیادہ شرحِ سود انگلینڈ میں (۸۶٪) تھی اور سب سے کم بازنطینی سلطنت میں (۴٪)

(۵) منصفانہ اور قانونی شرحوں کی خلاف ورزی کی جاتی رہی اور خاص طور سے ان دور افتادہ علاقوں میں جہاں سرمایہ کی قلت ہوتی تھی اور تجارت میں جمود ہوتا تھا۔

یہ بات بڑی عجیب اور دلچسپ ہے کہ اگر اوپر کے اعداد کو ایک گراف کی شکل میں پیش کیا جائے تو کشیدہ خط سے پتہ چلتا ہے کہ ہم دونوں سمتوں سے جوں جوں عرب کی طرف بڑھتے ہیں شرحِ سود کم ہوتی جاتی ہے اور جوں جوں دور ہوتے ہیں شرح بڑھتی جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو گراف) صفحہ ۳۴۱

اگر ان دونوں خطوط کو ان کے تنزلی رجحان کے مطابق بڑھا کر ایک دوسرے سے ملایا جائے تو ہمیں خط الف ب کھینچنا پڑے گا جو جغرافیائی حیثیت سے جزیرہ نمائے عرب کا مقام ہے، گراف کے قیاسی اصولوں کے تحت عرب کی شرحِ سود اسی خط کے قرب وجوار میں ملنا چاہیے، یہ قیاس گوناگوں اسباب سے قرینِ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً :۔

۱- عرب میں زراعت کے قابل چند ہی مقامات تھے، بیشتر قبائل یا تو جانور پالتے تھے یا تجارت کرتے تھے، قریشِ مکہ تمام کے تمام تاجر تھے۔

۲- اوپر کی سطروں سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارتی شرح ہمیشہ اور ہر جگہ دوسری شرحوں کے مقابلہ میں نصف یا چوتھائی کے قریب ہوتی تھی۔

۳- عرب میں طرزِ زندگی انتہائی سادہ اور بدویانہ تھا اور ضروریات مختصر۔ تجارت پیشہ قومیں نہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ کا بہترین استعمال جانتی تھیں بلکہ صاحبِ ثروت بھی تھیں۔

۴۔ عرب کے زراعت پیشہ لوگ صرف زراعت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ تجارت اور ساہوکارہ بھی کرتے تھے، صرف یہود کی پچاس سے زیادہ بستیاں تھیں اور ان میں تقریباً تمام ہی یہودی زراعت پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت اور دیہی بنکاری کے کام میں مشہور تھے، بنو ثقیف، نجران اور قریش وغیرہ کے باہمی لین دین کے جو واقعات تاریخ میں ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ زرعی رسد میں اتنی قلت نہیں تھی جو زرعی علاقوں میں شرحِ سود بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ عرب کے محلِ وقوع نے اسے مشرق و مغرب کی تجارت کا مرکزی نقطہ بنا دیا تھا اس طرح بین الاقوامی اثرات نے اس کی تجارتی حیثیت کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

۶۔ ان امور کے ساتھ ہی ساتھ اس سے قطعِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ بازنطین سے عربوں کا بہت ہی قریبی واسطہ تھا اور بعثتِ نبویؐ کے وقت بازنطین کی قانونی شرح ۴ سے ۸ فی صدی تھی حتیٰ کہ سمندری تجارت کے لئے قرض کی شرح بھی ۱۲ فی صدی سالانہ سے زیادہ نہ تھی، پانچ سو سال گذرنے پر بھی گیارھویں صدی میں یہ شرح بڑھ کر صرف سولہ (۱۶) فی صدی تک پہنچی حالانکہ کل پر اوسط شرح ۱۰ فی صدی رہی۔

مندرجۂ بالا حقائق کے پیشِ نظر یہ نتیجہ نکالنا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کہ عرب میں بھی کم و بیش اتنی ہی شرح رائج رہی ہو گی جتنی بازنطین میں تھی اور اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعثتِ نبویؐ کے وقت عرب میں عمومی شرح ۳ سے ۱۰ فی صدی تک تھی۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا قرآنی احکام کی روشنی میں یہ شرح بھی ممنوع قرار پاتی ہے۔ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا، اور حَرَّمَ الرِّبٰوا اور فَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ کے پیشِ نظر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان آیات میں کم و بیش کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کلامِ پاک میں کوئی استثنیٰ نہیں تھا تو آنحضرتؐ کی کوئی حدیث ایسی ضرور ہونا چاہئے تھی جس کی رو سے کم شرحِ سود حرمت کی زد سے مستثنیٰ قرار پاتی، اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث کے رجحان سے حتیٰ کہ فقہا کی اجتہادی آراء سے بھی کسی ایسے استثنیٰ کا امکان نہیں پایا جاتا۔ مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے چچا عباسؓ کا سود ساقط کیا تھا تو اس میں تھوڑا بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصول کر لینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی، مراکو اور اسپین کے علماء گیارھویں صدی تک تجارتی سود کی ۴ فیصدی شرح کو بھی ناجائز قرار دیتے تھے ان تمام حقائق کے ساتھ ساتھ یہ امر واقعہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ قبل اسلام کے قریش سود کا لین دین ضرور کرتے تھے، لیکن اسے معیوب بھی سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب تعمیرِ کعبہ کے لئے قریش نے چندہ فراہم کرنا شروع کیا تو رنڈی اور سود کی کمائی سے چندہ لینے سے انکار کر دیا یہاں بھی انھوں نے کوئی ایسا استثنیٰ نہیں رکھا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ کم شرح اور زیادہ شرح میں کوئی امتیاز قابلِ قبول تھا۔

عملی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شرح میں امتیاز یا استثنیٰ کا تصور اسلام کے اس عالمگیر مزاج کے خلاف ہے جس کے تحت فکر و عمل اور اقدار میں یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کم شرح سود کو جائز قرار دیتا ہے اور زیادہ کو ناجائز تو عملی سوال یہ پیدا ہوگا کہ آخر کس شرح تک سود کو جائز قرار دیا جائے، شرحِ سود کا انحصار متعدد عوامل پر ہے جو مختلف ممالک میں مختلف ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے سود کی مرکزی شرح (BANK RATE) بھی ہر جگہ مختلف ہوتی ہے۔ منصفانہ اور قانونی شرح کا تصور ایک زمانے میں بنک آف انگلینڈ کے لئے واجب العمل رہا ہے چنانچہ اُنیسویں صدی کے وسط میں پانچ فیصدی سے زیادہ کو ظالمانہ شرح قرار دیا گیا تھا لیکن رسد و طلب کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس تصور میں ردو بدل کرنا پڑی حتیٰ کہ آج سے ۸، ۱۰ سال پہلے اسی بنک کی مرکزی شرح سات فیصدی کر دی گئی، اور دیگر بنکوں کے لین دین کی شرح اس سے کافی بڑھ گئی۔ اب اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ہندوستان کے فقہاء ۱۰ فی صدی شرح کو (ستمبر سے مرکزی شرح پانچ فی صدی ہے) جائز قرار دیں تو ہندوستان کا مسلمان چلی (جنوبی امریکہ) سے کس طرح لین دین کر سکے گا جبکہ وہاں کی موجودہ مرکزی شرح تقریباً پندرہ فی صدی ہے اور لین دین کی اس سے ڈیڑھ گنی تک، امریکہ جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں صرفیاتی قرضوں پر موجودہ شرحِ سود ۲۴ فی صدی سالانہ سے ۴۲ فی صدی سالانہ تک قانونی قرار دی گئی ہے۔ اس طرح منصفانہ اور قانونی شرح کا دعویٰ ایک ایسا پُر فریب دعویٰ ہے جس کو تسلیم کرنے کے بعد پھر اونچی سے اونچی شرح بھی غیر قانونی اور غیر منصفانہ نہیں قرار پا سکے گی، اور اسی لئے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ حرمتِ ربا کے احکام سود کی ہر شرح پر حاوی ہیں۔

بیجا نہ ہوگا اگر یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ بیشتر پسماندہ ممالک میں شرحِ سود پر کنٹرول کرنے کے لئے قانونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقدام کئے گئے ہیں، برما میں قانونی شرح ۱۲ سے ۱۸ فی صدی تک ہے، تھائی لینڈ میں پندرہ فی صدی، ہندوستانی اوسط ۱۲ فی صدی، حیدرآباد میں ۹ فی صدی، مدراس میں ۵½ فی صدی، یو.پی میں ۲۴ فی صدی، پاکستان میں ۱۲ تا ۱۸ فی صدی اور کوریا میں پچھلے چالیس سال سے بیس فی صدی ہے[۲۴] اسی طرح جنوبی امریکہ کی بیشتر ریاستوں میں قانونی شرح کم و بیش ۱۲ فی صدی ہے، رہ گئی وہ شرح جو فی الواقع وصول کی جاتی وہ ان شرحوں سے بالکل مختلف ہے، اس کے اندازہ کے لئے مندرجہ ذیل فہرست پیش کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی مرکزی شرح میں توزیع کی جدول بھی دی ہوئی ہے:-

جدول ۱

	فی صدی سالانہ مرکزی شرح	زیادہ سے زیادہ قانونی شرح	عمومی	اتفاقی
تھائی لینڈ	۵	۱۵	۲۵ - ۳۶	۴۰ - ۶۰
برما	۴	۱۲ - ۱۸	۲۴ - ۳۰	۵۰ - ۱۰۰
بھارت	۴ء۵	۱۲	۱۲ - ۵۰	
پاکستان (مغربی)	۴	۱۲ - ۱۸		
” (مشرقی)	۴	۱۲ - ۲۵	۳۰-	
کوریا	-	۲۰-		
لاطینی امریکہ (اوسط)	۱۰ - ۱۲	۱۲	۱۸ - ۶۰	۱۰۰
انڈونیشیا	۳	-	۵۰-	۲۰۰
مصر	۵	-	۲۵ - ۴۰	
ایران	۴	-	۲۰ - ۵۰	۲۰۰
اردن	-	-	۲۰ - ۴۰	
سوڈان	-	-	-	۱۰۰

حوالہ:- IMF STAFF PAPERS VOL 6. PAGE 140

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرکزی شرح فی صدی سالانہ

پرتگال	۲	
مغربی جرمنی	۳	
برما، برطانیہ کنیڈا، پاکستان	۴	
مصر	۵	
ایران، فلپین	۶	
ملایا، نیوزی لینڈ	۷	
ترکی	۷ء۵	
پیرو	۹ء۵	حوالہ:-
ایکویڈور	۱۰	COMMERCE BOMBAY
چلی	۱۴ء۶۳	21.9.63. 16.11.63 8.2.64.

اوپر دیئے ہوئے تختہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہر ہر مقام پر کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سود میں کتنا فرق ہے، یہ کمی بیشی سود کے معاشی قانون کا لازمی تقاضہ ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر شرح کی کمی بیشی کو علت و حرمت کا معیار قرار دیا گیا تو مسلم سوسائٹی کو ایک ایسے عملی بحران سے دوچار ہونا پڑے گا جس میں ہر ہر جگہ لین دین کی قدریں مختلف ہوں گی۔

سود مفرد اور سود مرکب / بیجانہ ہوگا اگر بعض ان دعووں پر بھی روشنی ڈالی جائے جو سود کی حلت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، اور جن میں موجودہ سود کو ربا سے ممتاز کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک دعوٰے یہ ہے کہ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً سود مرکب کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حرام قرار دیا گیا ہے البتہ اگر یہ سود مفرد ہو جائے تو جائز ہے۔ یہ دلیل کئی لحاظ سے ناقابلِ قبول ہے، ایک تو یہ کہ سود مفرد اور مرکب میں روح کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، پھر یہ کہ اس طرح سود مفرد کی بھاری سے بھاری شرح جائز اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود مرکب کی تقلیل سے تقلیل شرح ناجائز قرار پائے گی، پھر اس سے بھی کسی طرح صرفِ نظر نہیں کیا جانا چاہئے کہ آج بنکوں میں عام طور سے سود مرکب کے حساب سے لین دین ہوتا ہے، حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ربا مفرد حساب کے تحت ہی اَضعافاً مضاعفۃً ہو جاتا ہے چہ جائیکہ مرکب۔

ذیل کی مثالوں سے سود مطلق، سود مفرد اور سود مرکب کی صحیح حیثیت کی وضاحت ہو سکے گی۔

زید نے بکر سے دس ہزار روپئے اس شرط پر قرض لئے کہ وہ اس کے بدلے ۱۲ ہزار روپئے واپس کرے گا، یہ اضافہ مجرد اضافہ ہے اور ربا ہے۔

لیکن اگر اس کے بجائے یہ شرط ہو کہ زید اس دس ہزار پر ۴ فی صدی سالانہ کے حساب سے سود ادا کرے گا تو سود مفرد کے حساب سے

پہلے سال	۴۰۰ روپیہ ہوگی۔	دوسرے سال	۸۰۰ روپیہ ہوگی
تیسرے سال	۱۲۰۰ "	چوتھے سال	۱۶۰۰ "

اور اس طرح یہ رقم ربا ہر سال اضعافاً مضاعفہ ہوتی رہے گی۔

اس کے برعکس سود مرکب کی رو سے اگر پہلے سال کا سود ۴۰۰ روپیہ ہوگا تو دوسرے سال کا ۸۱۶ کیونکہ اس میں ۴۰۰ روپیہ کے سود پر بھی ۴ فی صدی کے حساب سے سود لگایا جائے گا۔ اور یہی آخری شکل ہے جس پر آج کے بنکاری نظام میں عمل کیا جاتا ہے۔

منصفانہ شرح سود صدیوں پہلے سے مسئلۂ سود پر بحث کرتے وقت ماہرین معیشت منصفانہ شرح پر زور دیتے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں اس قدر نظریاتی جھول ہے کہ عملی معاملات میں یہ سارے مباحث فضول محض ہو چکے ہیں، اور آج تک حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ آخر منصفانہ شرح ہے کیا، واقعہ تو یہ ہے کہ ہم ہر اس شرح کو معاشی نقطۂ نظر سے منصفانہ قرار دے سکتے ہیں جو قرض دار آسانی سے ادا کر سکے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ منصفانہ کی اصطلاح ایک اضافی اصطلاح بن کر رہ جاتی ہے اور اس میں کسی خاص حد کی تحدید نہیں کی جا سکتی، مثلاً ایسا شخص جو قرض کی رقم سے پانچ سو فی صدی نفع حاصل کرتا ہے، تو سو فی صدی سود کی شرح بھی بخوشی منظور کر سکتا ہے، لیکن اس شخص کے لئے جو خسارہ اٹھاتا ہے، ایک فی صدی کی شرح بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر منصفانہ ہوتی ہے، اس طرح شرحِ سود کی معقولیت اور اس کے منصفانہ ہونے کا دارومدار قرض کے سرمایہ کی نفع بخشی کے تابع ہے، اور دنیا میں شاید ہی ایسا ہوتا ہو کہ کوئی سے دو ۲ ادارے مساوی قرضے سے مساوی منافع حاصل کر سکتے ہوں، ایسے حالات میں سب کے لیے "ایک معقول" شرحِ سود متعین کرنا۔ اتنا ہی نامعقول ہے جتنا زیادہ شرح کا تعین، آخر کیا وجہ ہے کہ قرض دینے والا اس شخص سے بھی سو پر پانچ روپے وصول کرے جو اس رقم سے صرف پچیس ۲۵ روپے بناتا ہے اور اس سے بھی جو سو ۱۰۰ لے کر دو سو ۲۰۰ بناتا ہے۔ منصفانہ شرح کا اس طریقہ پر تعین درحقیقت زیادہ تر قرض خواہوں سے بے انصافی ہے، اس طرح ہر قرض دار بعض سے کم اور بعض دوسروں سے زیادہ قربانی دینے پر مجبور ہے، منصفانہ شرح کا تعین صرف اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ایثار میں مساوات ہو یہ مقصد شرکت سے تو حاصل ہو سکتا ہے، سود خوری سے نہیں۔

---

1. JOHN DAY AN ECONOMIC HISTORY OF ATHERS UNDER ROMAN DOMINATION (1942 COLUMBIA UNIVERSITY PRESS PP 59.60)
2. IBID
3. JOHNSON & WEST, BYZANTINE EGYPT... ECONOMIC STUDIES PRINCETON UNIVERSITY 1949 PP 167-68
4. JOHNSON & WEST حوالہ سابق PP 168-70
5. IBID
6. POSTAN AND RICK, THE CAMBRIDGE ECONOMIC HISTORY OF EUROPE VOL II 1952 CANT UNIVERSITY PRESS, LONDON P 109.
7. POSTAN AND RICK OP. CIT. P 334
8. IBID
9. POSTAN OP. CIT P. 306
10. HENRY PIRENNE, ECONOMIC AND SOCIAL HISTORY OF MEDIEVAL EUROPE ENGLISH TRANSLATION BY I.E. CLEGGS, HARVEST BOOK U.S.A P. 130
11. H. PIRENNE OP. CIT. P. 131
12. POSTAN AND RICK OP. CIT. P. 349
13. HENRY PIRENNE OP. CIT. P. 134
14. HERBERT HEATON, THE ECONOMIC HISTORY OF EUROPE, REVISED EDITION 1948 HARPER BRS. NEW YORK P. 377

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

15. SALO WITTMAYER BARON, A SOCIAL AND RELIGIOUS HISTORY OF THE JEWS, SECOND ED. 1951 COLUMBIA UNIVERSITY N.Y. VOL IV P. 342

۱۶؎ بعد کے دور میں شرح میں تیزی سے تخفیف ہونا شروع ہوئی، پروفیسر پوسٹن کے بقول انگلینڈ میں پندرھویں صدی میں غیر فعال شریک (SLEEPING PARTNER) کو اس کے سرمایہ پر دس فی صدی حاصل ہو رہا تھا۔ (حوالہ ماسبق صفحہ ۲۱۷) سنہ ۱۷۵۰ء تک انگلینڈ یا ہالینڈ میں ۳، ۴ یا پانچ فی صدی سود پر قرض حاصل کیا جا سکتا تھا الّا یہ کہ حالات نازک ہو گئے ہوں یا حکومت خود بہت زیادہ قرضہ لینا شروع کر دے، اسی طرح بنک آف انگلینڈ بھی کٹوتی بلوں پر پانچ فی صدی دیتا جبکہ اینٹورپ بورس میں سولہویں صدی میں شرح ۸ سے بارہ فی صدی تک تھی اور لندن کے سنہار سنہ ۱۶۷۰ء میں ۶ فیصدی لیتے تھے۔

سنہ ۱۶۷۲ء میں خزانہ عامرہ نے سود کی ادائیگی موقوف کر دی لیکن سنہ ۱۶۹۴ء میں خود ہی ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے ۱۲ لاکھ پونڈ کے ایک قرض پر آٹھ فی صدی سود دینے کا اعلان کیا اور قرض دہندہ کو بنک قائم کرنے کا حق دیا۔ سنہ ۱۷۷۰ء تک قرض کی رقم سود ملا کر دوگنی ہو گئی، لیکن شرح کم ہو کر ۳ فی صدی رہ گئی (ہی ٹن بحوالہ ماسبق ص ۳۷۵) سترھویں صدی میں مالی کاروبار کرنے والوں میں سنہار سب سے بڑے کاروباری کہلانے لگے۔

بہرحال سولہویں صدی میں دس فی صدی اور اٹھارہویں صدی میں پانچ فی صدی سود کو گوارہ کر لیا گیا، یہ ایسی بات ہے جس نے رائے عامہ کو نئے رخ پر لگانے میں مؤثر حصہ لیا چنانچہ اس کے اثر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سنہ ۱۸۵۴ء میں ساہوکارے سے متعلق وہ قانون بھی ختم ہو گیا جس میں وقتاً فوقتاً استثنیٰ پیدا کیا جاتا رہا۔ (LIPSON, THE GROWTH OF ENGLISH SOCIETY) طبع چہارم سنہ ۱۹۵۹ء لندن ص ۸۶

سنہ ۱۸۳۰ء تک پانچ فی صدی سے زیادہ سود لینا ساہوکارے کے قانون کے تحت منع تھا، اس طرح ایک عرصے تک مرکزی شرح بھی ۴، ۵ فی صدی رہی، سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد بالآخر بنک نے تجارت کی حالت اور فلزاتی محفوظات کی مقدار کے لحاظ سے شرح سود میں کمی بیشی کی پالیسی اختیار کی، اگر کبھی حالات نازک ہوتے تھے تو بنک قرضوں اور کٹوتیوں DISCOUNTS پر ۲، ۳ فی صدی سے شرح بڑھا کر ۶، ۷ یا ۸ فی صدی تک کر دیتی تھی۔ ہی ٹن ص ۵۸۸-۸۹

17. MAX MULLER (EDITOR) SACRED BOOKS OF THE EAST. VOL XXI 1886 CLARENDON PRESS, OXFORD. P 178

۱۸؎ یہ قانون ان قرضوں کے لئے ہے جن کی ضمانت نہ ہو، برہمن کے لئے ماہانہ شرح ۲ فی صدی ہے، کھتری کے لئے ۳ فیصدی ماہانہ، ویش کے لئے ۴ فی صدی اور شودر کے لئے ۵ فی صدی ماہانہ۔

19. WILLER DURANT. THE STORY OF CIVILIZATION (OUR ORIENTAL HERITAGE) PUB 1954 SIMON AND SCHUSTER, N.Y.
20. S.W. BARON OP. CIT. VOL IV P 214
21. S.W. BARON OP. CIT P 348
22. POSTAN AND RICK OP. CIT. P 286
23. PASSIM
24. U TUN WAI, INTEREST RATES OUTSIDE THE ORGANIZED MARKETS (IMF STAFF PAPERS VOL VI. NOV 57. PP.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

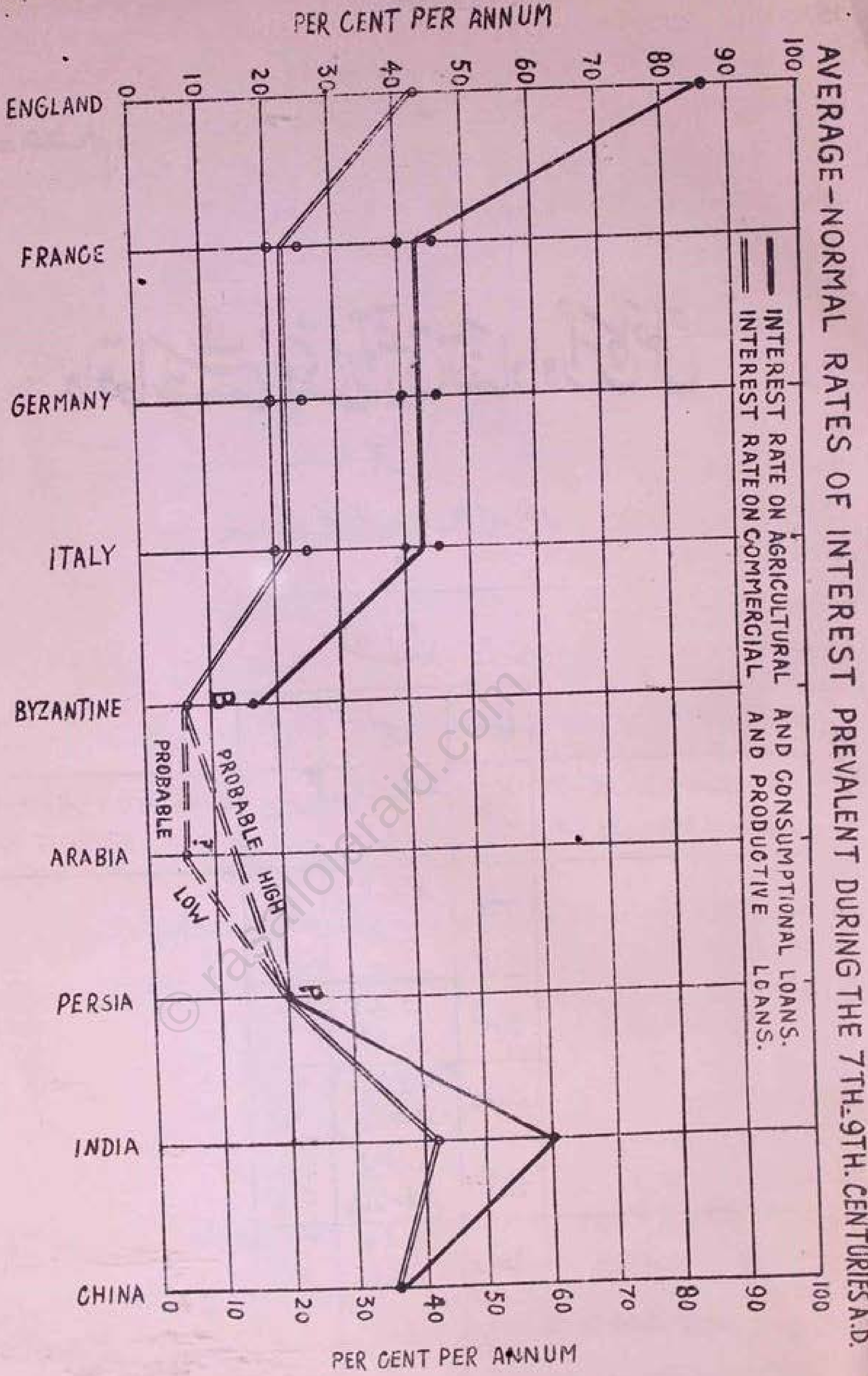

© rasailojaraid.com